اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ○ (الزمر:9)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دو عظیم نعمتیں:

نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں دو نعمتیں لے کر آئے۔ایک روشن کتاب اور دوسری روشن دل' ایک چمکتا ہوا علم اور دوسرا دمکتے ہوئے اخلاق' ایک علم کامل اور دوسرا عمل کامل۔قرآن پاک کی وہ آیت جس میں اللہ رب العزت نے انعام یافتہ بندوں کا تذکرہ کیا اس میں فرمایا گیا مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النسآء:69) (انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں سے)۔اس آیت مبارکہ کی رو سے انبیاءؑ اور صدیقین کی نسبت علم کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے جبکہ شہداء اور صالحین کی نسبت عمل کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے۔معلوم یہ ہوا کہ کائنات کی تمام سعادتیں اللہ رب العزت نے علم و عمل میں رکھ دی ہیں۔

دور حاضر میں علم و عمل کی تنزلی:

آجکل علم و عمل کی تنزلی کا دور ہے۔جو مسلمان نماز پڑھ لے وہ اپنے آپ کو دیندار سمجھتا ہے' جو تہجد پڑھ لے وہ جنید بغدادی' جو حج کر لے وہ اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکیدار اور جو زکوۃ ادا کرے وہ گویا اسلام کی رجسٹری کروالیتا ہے۔ہم خواہشات کے پجاری بن چکے ہیں۔آج کے دور کی ایک عام ابتلاء ہے کہ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ (القصص:79) (اے کاش! ہمیں اتنا ملتا جتنا قارون کو ملا)۔

اقتصادیات نے ہمیں اتنا پریشان کر رکھا ہے کہ جو جس درجے میں ہے آپ اس کی زبان سے شکر کے الفاظ بہت کم سنیں گے۔ ناشکری کے کلمے اکثر آپ کے کانوں میں پڑتے رہیں گے۔

دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑ لگ چکی ہے۔ آج ہم نے اپنی اولادوں کو ایسی تعلیم حاصل کرنے کیلئے سکولوں کی بھٹی میں جھونک دیا ہے جس سے وہ بڑے ہو کر چار پیسے کمائیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ صبح کے وقت ہزاروں کی تعداد میں بچے اور بچیاں اپنے گھروں سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہم عصری علوم کا حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کو روزی کے حصول میں دقت ہوگی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ہماری اولادوں کو اس سے پہلے ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے جسے اللہ کا دین کہتے ہیں۔ اگر یہ اولاد دین دار نہ بنی اور دنیا میں مزے بھی کرتی رہی تو پھر کس کام کی۔ اگر اس نے اللہ کے حکموں کو نہ جانا نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو نہ مانا اور دین سے بے بہرہ رہ کر زندگی گزاری تو ماں باپ کے لئے دنیا اور آخرت کا بوجھ بنے گی۔

ایک غلط فہمی کی بنیاد:

عجیب بات تو یہ ہے کہ پڑھے لکھے والدین جو دین و دنیا برابر کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ اپنی تمام کی تمام اولاد کو عصری علوم پڑھاتے ہیں جبکہ دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے ہیں۔ یہ فقرہ پھر ذہن نشین کر لیجئے ''پڑھے لکھے والدین اپنی اولادوں کو مروجہ علوم تو پڑھاتے ہیں مگر انہیں دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے ہیں'' وہ سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی انوکھے انسان بن جائیں گے اور وہ ایسے اعمال اپنائیں گے جو آج کے دور میں قابل عمل نہیں۔ ان انگریزی پڑھے لکھے بچوں اور بچیوں کا دین کے بارے میں یہ ذہن بنتا چلا جا رہا ہے کہ یہ چودہ سو سال پہلے کی ایک پرانی چیز ہے جبکہ آج نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے اور سائنسی تحقیقات ہو

چکی ہیں اس لئے معاشرہ بھی نیا ہونا چاہئے۔یہی غلط فہمی کی بنیاد ہے۔

دینی علوم ابدی ہیں:

چودہ سو سال پہلے امن وسکون کی زندگی گزارنے کیلئے جو اصول وضوابط بنائے گئے تھے وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ وہ دنیا کی صداقتیں ہیں، کائنات کی حقیقتیں ہیں، وہ سچائیوں سے بھری ہوئی باتیں ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں وہ سچی ثابت ہوں گی۔انسانیت جب بھی ان سے روگردانی کرے گی وہ ٹھوکریں کھائے گی، ذلتیں اٹھائے گی اور بالآخر ہانپتی کانپتی اسی دروازے پر آئے گی۔

نہ کہیں جہاں میں اَماں ملی جو اَماں ملی تو کہاں ملی میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

عصری علوم ناقص ہیں:

عام سکولوں اور کالجوں میں ان عصری علوم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔جبکہ سلیبس میں دینی علوم کی انتہائی کمی ہوتی ہے۔ وہ اس کمی کے باوجود اپنے آپ کو ناقص نہیں سمجھتے بلکہ ان مدارس کے طلباء وعلماء کو ناقص سمجھتے ہیں جو اپنی زندگیوں کو علوم دین حاصل کرنے کیلئے وقف کر چکے ہیں۔جن کی زندگی صبح وشام اللہ کا قرآن اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان پڑھتے گزر جاتی ہے وہ ان کو کم نظری سے دیکھتے ہیں۔

دنیا سے محبت کا نتیجہ:

کیا ہوا جو ان علوم دین کی وجہ سے چار ٹکے نہیں کمائے جا سکتے۔کیا رب کی رضا کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ کیا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں قبولیت کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ ہم اس قدر Money Oriented (زر پرست) ہو چکے ہیں، دنیا ہمارے دماغوں پر اس قدر مسلط ہو چکی ہے کہ جن علوم سے ہمیں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نصیب ہوتی ہے، دنیا اور آخرت کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں ان علوم کو ہم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جن علوم سے فقط دو وقت کی روٹی ملے گی ان علوم کو ہم بڑی

عزت واکرام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی پوری زندگی ان کے حصول میں گزار دیتے ہیں۔ کالجوں کے کتنے بچے ہیں جو ماسٹرز کی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں، آپ ان سے نماز کے مسائل معلوم کر لیجئے وہ آپ کو دین سے بالکل نابلد اور نا آشنا نظر آئیں گے۔ یہ دنیا سے محبت کا نتیجہ ہے۔

پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی زبوں حالی:

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر صاحب کے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک عالم دین سے کہا کہ آپ نے جنازہ پڑھانا ہے۔ جنازے کے بعد اس پی ایچ ڈی ڈاکٹر نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے تسلی دی کہ اس طرح کا صدمہ ہر آدمی کو پیش آتا ہے اس لئے آپ کو بھی صبر کرنا چاہئے۔ مگر وہ مسلسل روتا رہا۔ بالآخر عالم دین نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اتنا رو رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اس بات پر نہیں رو رہا کہ والد فوت ہو گئے، ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے۔ میں تو اس بات پر رو رہا ہوں کہ میرے اس والد نے مجھے اتنی دنیاوی تعلیم دلوائی کہ میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر بن گیا مگر مجھے دین سے اتنا بے بہرہ رکھا میرے والد کی میت میرے سامنے پڑی تھی اور مجھے نماز جنازہ بھی نہیں آتی تھی۔

دنیاوی سوچ کے تاثرات:

دین سے اس قدر دوری کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ دینی اور سائنسی علوم حاصل کرنے والوں کے درمیان یہ خلیج کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلباء میں ایک عام تاثر یہ بنتا جا رہا ہے کہ مدارس والے کچھ نہیں کرتے، دقیانوس ہوتے ہیں، پرانے دماغ کے لوگ ہوتے ہیں، پرانی پرانی کتابیں پڑھتے ہیں۔

اور دوسرا تصور یہ بنتا چلا جا رہا ہے کہ علماء کو سائنسی علوم پڑھنے چاہئیں۔ حالانکہ یہ بات تو اہل علم حضرات

کے کہنے کی ہے کہ آج دنیاوی علوم پڑھنے والوں کو دین پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ علماء کی تعداد کو دیکھیں تو آپکو پوری آبادی میں 5% بھی نظر نہیں آئیں گے۔ جبکہ دنیاوی علوم حاصل کرنے والے 95% ہونگے۔ جو 95% ہیں وہ تو پہلے ہی سو فیصد زندگی ان علوم پر وقف کر چکے ہیں۔ ہم یہ سوچتے ہیں اگر باقی 5% لوگ بھی سائنسی علوم حاصل کر لیتے تو ہماری قوم فلاح پالیتی اور ہم ترقی یافتہ بن جاتے۔ ہماری یہ سوچ 100% غلط ہے۔ قلب ونظر جب سقیم ہوتے ہیں تو پھر انسان اس قسم کی سوچ سوچتا ہے۔

صحیح نقطہء نظر:

ہمیں اس بات کو دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے کہ جو 5 فیصد طلباء قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں وہ اس امت کے محسن ہیں جو ان کی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ جب لوگوں کو مسائل کا جواب پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس وقت یہی 5 فیصد ہی تو ہوتے ہیں جو ان کے علمی بوجھ کو اپنے سر پر لیتے ہیں، جو ان کو قدم قدم پر بتاتے ہیں کہ تمہیں اللہ کی رضا اس میں ملے گی۔

درحقیقت ہمیں بات اس طرح کرنی چاہئے کہ آج ان سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے جتنے طلباء ہیں جہاں یہ سائنس کے مضامین پڑھتے ہیں وہاں کیا دین کا مضمون نہیں پڑھ سکتے۔ اگر شروع سے آخر تک یہ دین کی تعلیم ساتھ ساتھ پاتے رہیں تو جہاں اچھے سائنس دان بن کر نکلیں گے وہاں اچھے مسلمان بھی بن کر نکل سکتے ہیں۔ ہمارا یہ ذہن قوم کا سرمایہ ہے جس کو آج Intelegentia of Nation کہتے ہیں آج سارے کا سارا زور مادے کی تحقیق پر لگ رہا ہے روحانیت پر اس کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ آخرت کیلئے اس پر کوئی محنت نہیں ہو رہی۔

آج کا عنوان:

آج کی اس محفل میں ہمارے سامنے وہ بچے بیٹھے ہیں جنہوں نے حدیث وتفسیر کا علم حاصل کیا یا قرآن پاک حفظ کیا۔اسی نسبت سے ان بچوں کے ذہنوں میں دینی تعلیم کی اہمیت اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حق واضح ہو، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو۔ہمیں پتہ چل جائے کہ جو لوگ دین پڑھ رہے ہیں حقیقت میں وہی انسانیت کے محسن ہیں۔وہ ایک بلند و بالا مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔

دنیاوی مال کی بے ثباتی:

عصری علوم حاصل کرنے والے دنیا کما کر اپنی دنیاوی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔آخرت کی ضرورتیں تو دنیا کے پیسے سے پوری نہیں ہوسکتیں۔اگر انہوں نے مال کما بھی لیا تو اس مال سے وہ زندگی کی ہر ضرورت تو پوری نہیں کر سکتے۔مال سے آپ عینک تو خرید سکتے ہیں بینائی تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کتابیں تو خرید سکتے ہیں علم تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے نرم بستر تو خرید سکتے ہیں میٹھی نیند تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے دوائیں تو خرید سکتے ہیں مگر اچھی صحت تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اچھا لباس تو خرید سکتے ہیں مگر حسن و جمال تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کسی کی خوشامد تو کر سکتے ہیں مگر دل کی محبت تو نہیں خرید سکتے اور مال سے آپ خضاب تو خرید سکتے ہیں مگر شباب نہیں خرید سکتے۔پس معلوم ہوا کہ مال سے ہر کام نہیں ہوسکتا۔

مال اور علم کا موازنہ:

بھلا مال اور علم کا کیا مقابلہ۔مال کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ گھٹتی چلی جاتی ہے اور علم کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔مال کی حفاظت تجھے کرنا پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کیا کرتا ہے۔مال فرعون وقارون کی میراث ہے اور علم انبیائے کرامؑ کی میراث ہے۔مال کے بڑھنے سے حاسد

بڑھتے ہیں اور علم کے بڑھنے سے معتقدین بڑھتے ہیں۔ مال سے علم حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ علم سے مال حاصل کیا جاسکتا ہے۔ روز محشر مال کھانے کا حساب ہوگا علم حاصل کرنے کا حساب نہ ہوگا۔ علم تو آسمان کی مانند ہے دنیا کا مال زمین کی مانند ہے۔ کثرت مال کی وجہ سے فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النزعت:24) کہا اور کثرت علم کی وجہ سے پروردگار عالم کے محبوب ﷺ نے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہا۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

مقصد زندگی:

ہمارے انگریزی پڑھے لکھے نوجوانوں کو اپنے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا لینی چاہئے کہ دنیا کا علم حاصل کرنا ہماری زندگی کی ضرورت ہے، زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ مقصد زندگی تو اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنا اور اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ چیز دینی علوم کے بغیر آپ کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ دنیا میں پی ایچ ڈی کرلیں، نوبل پرائز Win (حاصل) کرلیں مگر اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال کرنے کیلئے پھر بھی انہی علماء کی جھونپڑیوں میں آپ کو آنا پڑے گا۔ انہی کی چٹائیوں پر آپ کو دوزانو ہوکر بیٹھنا پڑے گا۔ تب آپ کو یہ علوم حاصل ہوں گے اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ ان علوم کے بغیر بھی ہم اچھی زندگی گزار لیں گے کیونکہ ہمیں اچھا کھانا ملتا ہے یا کار کوٹھی بھی موجود ہے تو پھر ہم یہی کہیں گے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (النجم:30) میاں تمہارے علم کی حد یہیں تک تھی کہ تم نے اپنے آپ کو دنیا کے لئے وقف کرلیا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج:11) اسی کو تو بڑا خسارہ کہتے ہیں۔ عقلمند انسان کی پہچان یہی ہے کہ وہ ضرورت کو بقدر ضرورت پورا کیا کرتا ہے

مگر مقصد کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ معاشرے کے 95% لوگ جو فقط انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ بہت اچھا کر رہے ہیں اور وہ 5% لوگ جو صبح وشام دین کا علم حاصل کر رہے ہیں ان کو بھی سائنس پڑھنے کی ضرورت ہے تو یہ عقلمندی کی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر طلباء کی ساری زندگی سکولوں اور کالجوں میں گزر گئی تو وہ علم وادب کیسے حاصل کریں گے۔ وہ ان اعمال سے بالکل محروم رہیں گے جن سے اللہ تعالی کی رضا ملتی ہے۔ اسی کو اکبر نے کہا:

انہوں نے دیں کہاں سیکھا بھلا جا جا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

کتنی زندگیاں ہیں جو سکولوں اور کالجوں کے طواف کرتے گزر جاتی ہیں اور جب فارغ ہوتے ہیں تو صاحب (افسر) کے دفتر میں زندگی نبھ (گزر) جاتی ہے۔

قوم کے محسن:

میرے دوستو! ذرا دوسرے انداز سے بھی دیکھ لیجئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ جو علم لے کر آئے کیا اس کی اتنی بھی قیمت نہیں ہے کہ آپ اس کو اہم سمجھیں؟ ہمیں چاہئے کہ ہم آج کے بعد سے یہ کہنا شروع کر دیں کہ وہ 5% جنہوں نے اپنی سو فیصد زندگی علم حاصل کرنے کیلئے وقف کر دی ہے وہی قوم کے محسن ہیں۔ قوم کے سروں پر یہ علمی سایہ ہیں۔ قوم جب ٹھوکریں کھائے گی تو منزل کی نشانی یہی بتائیں گے، جب قوم راستہ بھولے گی تو انگلی پکڑ کر منزل پر یہی پہنچائیں گے، جب قوم ناامید ہونے لگ جائے گی تو ان کو رب کی رحمت کی امید بھی یہی لوگ دلائیں گے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی:

اس محفل میں جن علمائے کرام نے آپ کے سامنے اپنے سروں پر دستار فضیلت بندھوائی اور اپنے

ہاتھوں میں انعام کے طور پر قرآن مجید کے نسخے اور حدیث کی کتابیں وصول کیں۔ آیئے ذرا جائزہ لیں کہ ان علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ان چٹائیوں پر بیٹھنے والے، معمولی کپڑے پہننے والے، معمولی کھانوں پر اکتفا کرنے والے، تھوڑی دنیا پر کفایت کرنے والے رہبر و رہنما ہستیوں کی داستان محبت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ رب والے اور اَحبار جمع ہے حِبر کی اور حِبر کہتے ہیں بڑے عالم کو۔ تو علماء اور صلحاء دونوں کا اللہ رب العزت قرآن پاک میں تذکرہ فرماتے ہیں اور ان کی ذمہ داریاں ارشاد فرماتے ہیں کہ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المآئدہ:44) وہ اللہ تعالی کی کتاب کی حفاظت کرتے ہیں۔ گویا ان کا مقصد اور منصب دنیا کے اندر قرآن کی ایک ایک آیت کے اوپر ڈیرے ڈالنا ہے، نبی اکرم ﷺ کی ایک ایک حدیث کے اوپر جھگیاں ڈال دینا اور ان کی حفاظت کرنا ہے تا کہ ان میں کوئی تبدیلی نہ آسکے اور آنے والی نسل تک دین اسی طرح پہنچے جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا۔ اسی لئے تو ان کو وارث انبیاءؑ کہا گیا ہے۔

اللہ تعالی کی فوج:

آپ سوچتے ہوں گے کہ قرآن پاک کی حفاظت تو اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی ہے پھر علماء پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری کیوں لگائی؟ جی ہاں، قرآن پاک کی حفاظت تو پروردگار عالم نے اپنے ذمہ لی ہے لیکن اس نے اپنی فوج تیار کی ہوئی ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ یہ کہے کہ میں اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سرحد پر جا کر راتوں کو خود پہرہ دے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ ایک فوج بناتا ہے اور اس فوج کا ہر آدمی اس کی نگاہ میں بڑا عزت والا ہوتا ہے، ان کی تنخواہیں اچھی، ان

کا لباس اچھا، ان کی صحتیں اچھی، ان کا وقار اعلی، ان کو بادشاہ عزیز رکھتا ہے کیونکہ وہ بڑے مقصد کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب پروردگار نے اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تو اس کیلئے اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کی فوج تیار کی، ان کو علماء کہتے ہیں۔ ان کو حفاظ کہتے ہیں۔ علماء نے علم نبوی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور حفاظ نے قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ لہذا دین پوری طرح آج ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کو محفوظ علم کہا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی اس فوج کو حزب اللہ کہا ہے۔ ان علماء اور صلحاء کو اللہ رب العزت نے خوشخبریاں دیں اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ:22) جان لو کہ اللہ کی جماعت اور اللہ کی فوج ہمیشہ فلاح پاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرم ﷺ کے علم و عمل کی محافظ:

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرم ﷺ کے علم و عمل کی وارث تھی۔ اگر ان کی زندگیوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک سنت کے عاشق تھے۔ اس عشق کے رنگ میں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اداؤں کی حفاظت کی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اداؤں کی اتباع کی۔ یہ اتباع اتنی کامل تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو چند واقعات سے ہو جائے گا۔

مثال نمبر 1:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا۔ باہر سے ایک آدمی آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساری محفل کے سب لوگ ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لباس ایک جیسے، وضع قطع ایک جیسی، ان کی گفتار ایک جیسی، ان کے چہرے پر اثرات اتنے عجیب اور ایک جیسے تھے کہ وہ پہچان نہ سکا۔ بالآخر اسے پوچھنا پڑا کہ تم میں سے اللہ کے نبی ﷺ کون ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ نقل اصل کے کتنا قریب ہوگی، جنہوں نے اتباع کی وہ تابع اپنے متبوع کے کتنا قریب ہو چکے ہوں گے، کہ باہر سے آنے والوں کو آقا اور غلام کے فرق کا پتہ نہ چلا۔ تابع اور متبوع کے فرق کا اندازہ نہ ہوا۔ حقیقت میں غلام ایسے تھے جو اپنی گفتار میں، رفتار میں، کردار میں، حتی کہ ایک ایک عمل میں آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔

مثال نمبر 2:

صحابہ کرامؓ نے سنت نبوی ﷺ کی اس قدر اتباع کی کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج کے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک جگہ اپنی سواری کو روک لیا، نیچے اترے اور ایک جگہ پر جا کر تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور اپنی سواری کو لے کر چل پڑے۔ رفیق سفر نے پوچھا، جناب یہ سواری کو ٹھہرانے اور وہاں جا کر بیٹھنے کا مقصد کیا تھا؟ کہنے لگے، میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ میرے آقا ﷺ یہاں قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آگے چل پڑے تھے۔ اب جب میں گزر رہا تھا تو اس جگہ سے میرے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ میرے دل نے چاہا کہ میرے محبوب ﷺ نے یہاں ایک عمل کیا تھا، اگرچہ مجھے اس وقت اس عمل کی حاجت نہیں مگر اپنے آقا ﷺ کے عمل کی اس وقت جتنی اتباع کر سکوں اتنی تو کر کے دکھاؤں۔ میں وہاں اسی طرح جا کر بیٹھا جس طرح میرے آقا ﷺ بیٹھے تھے۔ میں تھوڑی دیر تو رکا مگر مجھے اپنے آقا ﷺ کی ایک سنت پر عمل کی توفیق تو نصیب ہوگئی۔

مثال نمبر 3:

ایک صحابیؓ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ رنگ کے کالے اور شکل کے انوکھے تھے۔ ان کے سر کے بال چھوٹے بھی تھے اور گھنگھریالے بھی۔ ان بالوں میں مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سر کے درمیان میں مانگ نکالی ہوتی تھی۔ یہ آپ ﷺ کا سر مبارک دیکھتے تو سوچتے کہ وہ سر ہی کس کام کا جو

اپنے آقا ﷺ کے مبارک سر سے مشابہت نہ پا سکے۔ ہر وقت یہی تمنا رہتی اور اس کیلئے دعائیں مانگتے رہتے تھے کہ اے اللہ! کبھی ایسا بھی ہو کہ میں کنگھی کروں تو میرے سر کے درمیان سے مانگ نکل آئے اور میرے سر کو میرے آقا ﷺ کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے۔ اسی غم میں تڑپتے رہتے تھے۔

بالآخر آقا ﷺ کی محبت ایسی غالب آئی کہ ایک دن غسل کر کے نکلے اور آئینے میں چہرہ دیکھا مگر سر کے اوپر سیدھی مانگ نہ نکل سکی۔ دل میں خیال آیا کہ یہ سر بھلا کس کام کا۔ چنانچہ لوہے کی ایک سلاخ پڑی تھی، اسے اٹھالیا۔ گھر میں آگ جل رہی تھی۔ اس آگ میں اس کو گرم کیا۔ اس کے بعد اس کو اپنے سر کے بالکل وسط میں پھیر دیا جس سے جلد بھی جلی بال بھی جلے اور جلنے کی وجہ سے ایک لکیر بن گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا کہ تکلیف تو مجھے بھول جائے گی مگر میرا سر تو آئندہ میرے محبوب ﷺ کے سر مبارک کے مشابہ بن جائے گا۔

مثال نمبر 4:

مشہور روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان فارس تشریف لے گئے۔ دعوت کھانے کیلیے بیٹھے۔ ان سے ایک لقمہ نیچے گر گیا۔ انہوں نے اس لقمہ کو اٹھایا اور صاف کر کے کھا لیا۔ بعض لوگوں نے کہا یہاں کے امراء اس عادت کو ناپسند کرتے ہیں، آپ یہ لقمہ اٹھا کر نہ کھاتے۔ فرمانے لگے، ءَاَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِيْ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَآءِ کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے آقا اور محبوب ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔ سوچئے تو سہی کہ صحابہ کرامؓ نے ایک ایک سنت پر کتنی محبت سے عمل کیا۔ وہ علم کے بھی وارث بنے، عمل کے بھی وارث بنے، احوال کے بھی وارث بنے، آپ ﷺ کی ظاہری اداؤں کے بھی وارث بنے۔ اسی

طرح یہ علم صحابہ کرامؓ سے امت تک آگے پہنچا جس طرح میرے آقا ﷺ دنیا میں اسکو دے گئے تھے۔

تابعین اور حفاظت دین:

ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے بھی اس علم وعمل کو اسی طرح آگے پہنچایا جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا تھا۔حتی کہ اگر حکام نے اس میں اپنی مرضی کے فتوے مانگنے بھی چاہے تو ان علماء نے جانیں تو دے دیں مگر دین کے اندر کسی غیر اسلامی چیز کو شامل نہ ہونے دیا۔یہی تو وجہ ہے کہ امام اعظمؒ جو دنیا کے امام کہلاتے ہیں،ان کا جنازہ بھی جیل سے نکلا۔امام احمد بن حنبلؒ کو ۸۰ کوڑے مارے گئے۔ابن تیمیہؒ کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔امام سرخسیؒ کو کنویں میں قید ہونا پڑا۔امام بخاریؒ کو شہر بدر ہونا پڑا۔یہ عشق ووفا کی داستانیں اس تھوڑے سے وقت میں کیسے بیان کریں۔آیئے ہم اپنے قریب کے دور کی بات کرتے ہیں۔

علمائے ہند کا دور امت مسلمہ کا شاندار ماضی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہنشاہ جہانگیر سے ٹکر:

یہ دور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے شروع ہوتا ہے۔وہ ہندوستان کے شہر سرہند میں پیدا ہوئے۔ان کے دور میں اکبر نے دین کی شکل کو مسخ کر دیا تھا۔دین الٰہی کے نام سے ایک نیا دین دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا،جو بدعات ورسومات کا ملغوبہ تھا۔یہ وہ وقت تھا جب اکبر کے بیٹے جہانگیر نے اپنی طاقت کے نشے میں آکر علماء کو لکھا کہ مجھے فتویٰ دو کہ بادشاہ کو سجدہ ءتعظیمی کرنا جائز ہے۔جب لوگوں کے سامنے جیلوں کے دروازے کھل چکے تھے،جب ان کو درّے نظر آرہے تھے،کھالیں پیٹھ سے اترتی نظر آرہی تھیں،اس وقت کچھ ربانیین ایسے تھے،کچھ احبار ایسے تھے جنہوں نے جان کی پرواتک نہ کی۔اس

لئے کہ ان کا فرض منصبی دین کی حفاظت تھا۔انہوں نے کہا:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ سجدہ ءتعظیمی حرام ہے، قطعاً جائز نہیں۔اس کلمہءحق کی وجہ سے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔آپ کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔آپ نے پابند سلاسل رہنا تو قبول کر لیا مگر اسکی غلط بات کے آگے جھکے نہیں کیونکہ ان کو رب کے سوا کسی کے آگے جھکنا نہیں آتا تھا۔وہ ساری زندگی رب کے سامنے پیشانیاں جھکانے والے بھلا مخلوق کے سامنے کیسے جھک سکتے تھے۔بالآخر ان کی استقامت کی بدولت اللہ رب العزت نے ایک وقت وہ بھی دکھلایا کہ جب جہانگیر بادشاہ کو جھکنا پڑا۔سب امیر اس فقیر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، جو آپ کہیں گے آج ہم وہی کریں گے۔چنانچہ بدعتوں کو ختم کر دیا گیا، رسومات کو چھوڑ دیا گیا۔اور اسکی جگہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کو رواج دیا گیا۔اسی وجہ سے انکو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کہتے ہیں

خاندان شاہ عبدالرحیمؒ اور حفاظت دین:

پھر ان کے بعد ایک اور فرد فرید شاہ عبدالرحیمؒ عرب سے آ کر انڈیا میں آباد ہوئے۔آپ اپنے جد امجد کا یہ ورثہ اور نعمت بھی ساتھ لے کر آئے۔پھر اللہ رب العزت نے ان کو ایک بیٹا دیا جو ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔یہ خاندان ولی اللہی اللہ رب العزت کا چنا ہوا خاندان ثابت ہوا۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے دہلی میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کی خدمت کی علوم دینیہ کو دنیا میں عام کیا۔

ایک وقت وہ بھی آیا جب حاکم وقت نے ان کے ساتھ بھی ٹکر لی۔ان حضرات نے مصائب وتکالیف تو برداشت کر لیں مگر دین کے اندر کوئی چیز شامل نہ ہونے دی۔بالآخر شاہ ولی اللہؒ کے آخری عمر میں

ہاتھوں کے پہنچے اتروا دیئے گئے، انگلیوں کو توڑ دیا گیا اور دونوں ہاتھوں سے معذور کر دیا گیا۔ جس شخص کے ہاتھوں قرآن وحدیث کی اتنی خدمت ہوئی تھی، طاقت کے نشے میں آ کر دنیا کے حکمرانوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ ان علمائے حق نے قربانیاں تو پیش کر دیں مگر دین کے اندر کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہونے دی اگر اس وقت ان حکمرانوں کا بس چل جاتا تو معلوم نہیں کہ آج دین ہمیں کس حال میں ملتا۔ اگر ان حکمرانوں کے اپنے قلم کی بات ہوتی تو معلوم نہیں کہ ان کا قلم قرآن وحدیث کے حروف کو کس طرح بدل چکا ہوتا۔ یہ رب کریم کی رحمت ہے کہ اس نے دین کی حفاظت وقت کے حکمرانوں کے ذمہ نہیں ڈالی، ورنہ یہ تو پیتل کو سونا بنا کر دکھا دیتے۔ تاریخ کو دیکھو کہ جبہ ودستار نے جن علاقوں کو فتح کیا تھا کوٹ پتلون نے انہی علاقوں کو واپس دے دیا۔

انڈیا میں انگریز کا تسلط:

ایک وقت وہ بھی آیا جب پاک و ہند میں انگریز نے اپنا تسلط جمایا۔ پھر جب انگریز نے دیکھا کہ میں نے دنیا کا مال و دولت تو سمیٹ لیا اب ان کو علمی وراثت سے بھی محروم کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اوقاف کی تمام عمارات کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ فقط دہلی کے اندر 600 مدارس بند ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں ان کی گردن دبا دوں گا۔ اس نے کوئی بڑا مدرسہ نہ چلنے دیا۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد:

ان ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دیوبند کے ایک غیر معروف مقام پر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اس دارالعلوم نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ وہ دارالعلوم اب دنیا کی ایک عظیم یونیورسٹی بن چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سپوت:

اس یونیورسٹی سے ایسے بڑے بڑے علماء اور مجاہدین نکلے جنہوں نے کہا کہ آزادی ہمارا حق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہمیں واپس دیا جائے۔ یہی دارالعلوم ہی تو تھا جس نے امت کو انگریز کی غلامی سے بچایا۔ اگر یہ علماء سینہ تان کر مقابلہ نہ کرتے تو فرنگی تہذیب میں اس قدر چمک اور جاذبیت تھی کہ ہمارے سارے کے سارے نوجوان اسی رو میں بہہ کر فرنگی تہذیب کے دلدادہ بن جاتے۔ ان کا بیٹھنا اٹھنا کچھ اور ہوتا، ان کی صبح وشام کے لمحات کسی اور انداز سے بسر ہوتے مگر قربان جائیں کہ علمائے دیوبند کے سپوتوں نے ان حالات میں بھی دین کو سینے سے لگائے رکھا اور دنیا کو بتا دیا کہ، ہم نے دین کیلئے زندگیاں قربان کر دینی ہیں۔ لہٰذا ایک ایسا وقت بھی آیا جب انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا۔ کہیں شاملی کے میدان میں حافظ ضامن شہیدؒ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں، کہیں محمود حسنؒ مالٹا کے اندر جیلوں میں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ان حضرات کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی تھیں مگر ان کی زبان پر اللہ کا قرآن ہوتا تھا۔ یہ جیلوں سے نکلتے تھے تو کوئی تفسیر لکھ کر نکلتا تھا اور کوئی قرآن کا حافظ بن کر نکلتا تھا۔ علمائے ہند کا یہ شاندار ماضی اپنے اندر اتنی وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے کہ ایک محفل میں اس کی تفصیل نہیں بتائی جاسکتی۔

ترانہ دارالعلوم دیوبند:

یہی تو ایک عزیز طالب علم پڑھ رہے تھے:

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل

آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

مسجدیں نوحہ کررہی ہیں:

آج اندلس کی داستانیں آپکے سامنے ہیں۔آج ذرا قرطبہ کی جامع مسجد میں جا کر دیکھ لیجئے۔ان علماء کی قدر تو آپ کو تب آئے گی جب باہر ملک کے علماء کی حالت زار آپ جا کر دیکھیں گے۔انکے ظاہر کو دیکھیں تو آپ کو انکے چہرے پر سنت نبوی ﷺ نظر نہیں آئے گی۔معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء بھی وہیں کے ماحول میں ڈھل گئے ہیں۔لہٰذا اللہ تعالی جزائے خیر دے ہمارے اسلاف کو جنہوں نے ہر دور کے اندر ہر فتنے کے سامنے بند باندھا اور سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا۔مصر اور ترکی جو آج بڑے بڑے اسلامی ملک سمجھے جاتے ہیں ذرا ان کی مساجد کا حال دیکھئے کہ جس مسجد میں 1000 آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں وہاں ظہر عصر کی نمازوں میں مشکل سے تین آدمی بھی پورے نہیں ہوتے۔وہ مسجدیں آج نوحہ کررہی ہیں۔

انگریزی خواں طبقہ کی زبوں حالی:

آپ دیکھئے تو سہی کہ ہمارا انگریزی خواں طبقہ دین سے کس قدر نابلد ہے۔جو لوگ صبح وشام انگریزی پڑھنے میں مست ہیں ان کو عربی کے دو لفظ پڑھنے نہیں آتے۔کوئی پی ایچ ڈی ڈاکٹر کبھی آپ کے سامنے اذان دے تو ذرا سنا کیجئے کہ اس کی اذان کتنی عجیب ہوتی ہے۔کبھی آپ اسے کہہ دیں کہ آپ تو پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں ذرا اقامت تو کہہ دیجئے۔کہیں گے جی ہمیں تو اقامت کہنا نہیں آتی۔انہیں نماز پڑھانی نہیں آتی، پڑھنی نہیں آتی، نماز جنازہ کا پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہے مسائل کا پتہ نہیں ہوتا۔معلوم ہوا کہ دین سے بالکل نابلد ہوکر ان کی زندگی گزر رہی ہوتی ہے۔اگر ان جیسے لوگوں کے ذمے ہوتا کہ تم نے

کمیونزم اور سوشلزم کے سیلاب کا مقابلہ کرنا ہے تو یہ تو کشتی ہی ڈبو دیتے کیونکہ یہ تو اپنے پاؤں پر بھی کھڑے ہونے کے قابل نہ تھے۔

علمائے ربانیین کی دین پر استقامت:

یہ علمائے ربانیین ہی تھے جنہوں نے ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میں سلام پیش کرتا ہوں وسط ایشیا کے ان علماء کو جنہوں نے 70 سال ظلم کی چکی کے اندر پسنا تو برداشت کر لیا مگر دین کو اپنے سینوں سے جدا نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ جب ظلم کی آندھی چھٹی، ظلم کے سائے گھٹ گئے تو اس وقت یہ علمائے دین اسی دین کو سینے سے لگا کر پھر کھڑے ہو گئے۔ آج وہاں کے عوام الناس پھر دین کو اپنی زندگیوں میں لاگو کر رہے ہیں۔

وسط ایشیاء کا علمی قرض:

یہی طلباء ہیں جن کے آباؤ اجداد نے ہم تک دین پہنچایا۔ اور آج انہی کی یہ اولادیں ان ملکوں میں تحصیل علم کیلئے آ رہی ہیں۔ کوئی سعودی عرب پہنچ رہا ہے، کوئی پاکستان پہنچ رہا ہے۔ کوئی انڈیا میں دارالعلوم دیوبند جا رہا ہے۔ یہ بخاریؒ و مسلمؒ کے روحانی بیٹے ہمارے ان علاقوں میں قرآن و حدیث کا علم پانے کیلئے آ رہے ہیں۔ یہ ہمارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ان مدارس کا تعاون کرتے ہیں کتنی سعادت ہے کہ ہمارے علماء کی وجہ سے وہاں کے روحانی فرزند یہاں سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کر کے واپس جا رہے ہیں۔ ارے! آپ نے تو کمیونزم اور سوشلزم کے سامنے کچھ نہ کیا، یہی علماء ہیں جو ان کا قرض لوٹا رہے ہیں۔ قرض ان کے آباؤ اجداد کا تھا جن کی حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھ کر ہم عالم بنے۔ آج ہم ان کی اولادوں کو یہ قرض لوٹا رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فیصل آباد کے ان علماء کو سعادت بخشی ہے کہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر وسط ایشیاء کے طلباء نے قرآن و حدیث کی تعلیم مکمل کی۔

بچوں کی تربیت کا انگریزی طریقہ:

اس کے برعکس اگر انگریزی خواں طبقہ کی بات ہوتی تو یہ بیچارے تو خود سر سے لے کر پاؤں تک انگریز بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اتنا تو ''گورے انگریز'' بھی انگریزی کو پسند نہیں کرتے جتنا یہ ''کالے انگریز'' انگریزی کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے گھر میں بچہ پیدا ہو تو یہ اس کو عربی یاد نہیں کرائیں گے بلکہ وہ انہیں

Twinkle, Twinkle, little star !

How I wonder what you are,

یاد کرائیں گے۔ ایک صاحب انگریزی کے بارے میں بڑا عجیب شعر پڑھا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

سنا ہے کہ وہاں ہوگی بولی عرب کی
مگر ہم نے سیکھی ہے انگلش غضب کی

آخرت میں تو عربی بولی جائے گی اور عربی ہی کام آئے گی مگر یہاں ہمارے بچے غضب کی انگلش سیکھ رہے ہیں۔ لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ اردو میں بھی بات کر سکتے ہیں مگر پھر بھی انگلش میں بات کرنا اور انگلش الفاظ استعمال کرنا بڑی عزت کی بات سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امی کیلئے "ماما" باپ کیلئے "ڈیڈی" اور بیٹی کیلئے "ٹیڈی" یعنی ہر وقت "ریڈی"۔ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ عام روزمرہ زندگی میں ان کی بول چال دیکھ لیجئے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ عربی پڑھ کر ذرا سنا دیجئے تو وہ قرآن پاک کی آیت ٹھیک نہیں پڑھ سکیں گے جب کہ انگریزی فر فر بولیں گے۔

لمحۂ فکریہ:

ہر ماں باپ چاہے گا کہ بچوں کو انگریزی سکول میں داخل کروایا جائے۔ ٹھیک ہے ضرور داخل کروائیں مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ زندگی کا ایک شعبہ ہے جس سے رزق حلال کمانا ہے، یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔

آپ بچوں کو جیسے انگریزی سکھاتے ہیں ویسے عربی کیوں نہیں سکھاتے؟ آپ کے بچے قرآن پاک کا ترجمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا یہ اس قرآن کا حق نہیں ہے کہ ہمارے بچے اسے پڑھتے اور سمجھتے۔

اے ماں! تو دین و دنیا برابر برابر کے راگ الاپتی ہے، اے والد! تو دین و دنیا برابر برابر کے فلسفے کو پسند کرتا ہے مگر تیرے پانچ بچے ہیں اور پانچوں کے پانچوں کالج جاتے ہیں۔ تیرا ایک بچہ بھی ایسا نہیں جو کبھی حدیث پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا، کبھی تفسیر پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا۔ اے ماں! تیرے دل میں یہ حسرت کیوں نہیں پیدا ہوتی کہ تیرا بھی کوئی ایسا بچہ ہوتا جو دامن میں قرآن کو لے کر بیٹھتا اور جھولی پھیلا کر محبوب ﷺ کے فرامین کو یاد کرتا اور دعائیں مانگتا۔ تیرا کوئی بچہ تو تیری شفاعت کرنے کے قابل ہوتا۔ احادیث مبارکہ میں حافظ کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا، عالم کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا۔ روز محشر یہ ڈاکٹر اور انجینئر تو شفاعت نہیں کر پائیں گے۔ کاش! کہ تیرا کوئی ایسا بچہ ہوتا جس کی وجہ سے پروردگار عالم تیرے سر پر نور کا تاج بروز محشر پہناتے۔ اس لئے تو بھی کسی بچے کو عالم بنا لیتی۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بس اتنی بات ہے کہ بچے دنیاداری میں اچھے دنیادار بن جاتے ہیں لہذا ماں باپ کہتے ہیں کہ جی ہمارا بڑا بچہ بڑی اچھی پوسٹ پر ہے اور بڑی اچھی سہولیات ہیں مگر بچے کیلئے تھوڑی سی دعا کر دیں ،بس ذرا سا بے دین بن گیا ہے۔ وَیَاَاَسَفٰی ایسی باتیں زبان پر کیوں آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہماری نظر میں دین کی وقعت اتنی گر چکی ہے کہ ہم احساس نہیں کرتے کہ ان بچوں کو دنیا کا علم تو پڑھائیں گے مگر اس کے ساتھ ساتھ اور کیا کچھ پائیں گے۔ اس لئے اکبر نے کہا تھا

ہم سمجھتے تھے لائیگی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

اگر الحاد (کفر) بھی ساتھ چپکے چپکے خود ہی آ گیا تو پھر تم کیا کرو گے؟ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ان انگریزی

پڑھے لکھے طلباء کو ہم ان مدارس کے اندر تھوڑے سے وقت کیلئے بھیجیں۔ جو جتنا علم حاصل کر سکتا ہے اتنا کرے۔ قرآن کی تعلیم پا سکتا ہے تو وہ پائے تا کہ یہ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کر سکیں۔ یہ دینی اداروں سے غیر مانوسی کا نتیجہ ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ جب بیٹھتے ہیں اور علماء کا تذکرہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ان علماء نے اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔ یہ کیسے کمائیں گے، انہوں نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی

ایک دلچسپ کہانی:

مجھے یہاں ایک کہانی یاد آئی ہے جو ہم انگلش کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ مختلف جزیرے تھے۔ ان میں سے ایک جزیرے پر آبادی تھی مگر دوسرے جزیرے میں سکول بنایا گیا تھا۔ لہٰذا بچے سکول جانے کے لئے کسی ملاح کے ساتھ اس کی کشتی میں بیٹھ کر دوسرے جزیرے پر جایا کرتے تھے۔

ایک دن ان طلباء کے دل میں شرارت پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس ملاح کو ذرا چھیڑیں تو سہی۔ لہذا ان میں سے ایک آگے بڑھا اور ملاح سے پوچھا، جناب! کیا آپ کو ریاضی آتی ہے؟ اس نے جواب دیا، مجھے تو نہیں آتی۔ تو وہ کہنے لگا،

Then you have wasted half of your life

تم نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی اور آپس میں ہنسنے لگ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو سائیکالوجی (نفسیات) کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، جی مجھے تو نہیں پتہ۔ وہ پھر ہنسنے لگ گئے۔ کہنے لگے، Then you have wasted half of your life. تم نے تو اپنی آدھی زندگی ضائع کر دی۔ اس کے بعد تیسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو فزکس اور کیمسٹری کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، مجھے تو بالکل نہیں پتہ۔ وہ کہنے لگے Then you have wasted half of your life تو نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔ وہ اسی طرح کی باتوں سے

اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس دوران بارش شروع ہوگئی۔ سمندر کے اندر تلاطم پیدا ہوا High Tide (مدوجزر) کا وقت آ گیا۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اب ملاح کی باری تھی چنانچہ اس نے کہا، بچو! بتاؤ کیا تمہیں تیرنا آتا ہے؟ کہنے لگی کہ نہیں، ہمیں تیرنا تو نہیں آتا۔ وہ کہنے لگا، Then you have wasted whole of your life. پھر تو تم نے اپنی پوری زندگی تباہ کر لی ہے۔ یعنی ڈوب جاؤ گے۔

قیامت کے دن بالکل اسی طرح ہوگا۔ آج تو آپ علماء سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی ہے اگر روز محشر جا کر پتہ چلا کہ ہم نے تو اپنی پوری زندگی تباہ کر لی تھی تو سوچئے تو سہی کہ وہاں جا کر کیا بنے گا۔ لہذا بجائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ پانچ فیصد علماء جو دین کی حفاظت پر مامور ہیں، جنہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر طرح کے فتنوں سے طوفانوں سے، سیلابوں سے دین کی حفاظت کرنی ہے ہم ان کو سائنس میں گھسیٹنے کی بجائے ان 95% سے کہیں کہ جناب تم اتنا دنیاوی علم پڑھ چکے ہو، اب کورے مت رہو دین کا کچھ علم تو تم بھی حاصل کر لو۔

قوم کا سرمایہ:

وہ بچے جو انگریزی سکولوں میں جاتے ہیں وہ یقیناً قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، وہ قوم کی کریم ہوتی ہے۔ وہ Talented بچے ہوتے ہیں۔ Intelegentia of nation. ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ ابھی سے ارادہ کر لیں کہ جب ہم دین کو پڑھیں گے تو صحیح سمجھ کر پڑھیں گے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی کریں گے۔ مدارس اور سکولوں کی کشمکش کے درمیان حق بات تو یہی ہے کہ ہم اپنے سکولوں کے بچوں کو اس طرف متوجہ کریں کہ مدارس میں جانا بھی تمہاری ضرورت ہے۔ جب تک تم دین نہیں سیکھو گے تمہارا ایمان محفوظ نہیں ہوگا۔

فتنوں کا توڑ:

اللہ رب العزت جزائے خیر دے ان علماء کو کہ انہوں نے ہر حال میں دین کو تھامے رکھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ انسان اپنے لئے تو غربت برداشت کر لیتا ہے مگر اپنی اولاد کیلئے غربت برداشت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آپ سوچئے تو سہی کہ انگریز کے دور میں دین کس نے پڑھا؟ علماء نے پڑھا۔ پھر انہوں نے اپنی اولادوں کو پڑھایا۔ ہم تو مسٹر بنے رہے۔ ہم تو دفتروں کے چکر لگاتے رہے۔ ہم تو دنیا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ بنے رہے۔ مگر یہ علماء ہی تھے جنہوں نے غربت کو برداشت کیا، تھوڑی دنیا پر قناعت اختیار کی، چٹائیوں پر بیٹھنا پسند کیا، حجروں میں رہنا پسند کر لیا مگر دین پر ضرب نہ لگنے دی۔ جب انگریز نے دین کے اندر فتنہ شامل کرنے کی کوشش کی تو یہ کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ہر فتنے کے سامنے وہ سیسہ پلائی دیوار بن کر سامنے آئے۔ وہ یہودیت کا فتنہ تھا یا صیہونیت کا یا مرزائیت کا فتنہ تھا یا کسی پرویزیت کا۔ یہی علماء ہی تھے جو ہر فتنے کے سر پر ضرب مومن لگاتے رہے اور بالآخر ان فتنوں کو اپنی موت مرجانا پڑا۔ اس طرح کفر کو ہر موقعہ پر ذلت اٹھانا پڑی۔

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ جس طرح جلتے توے پہ ناچ کرتا ہے سپند
ان میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

یہ دردمند دل رکھنے والے، یہ ارجمند فطرت رکھنے والے علماء ہی تھے جنہوں نے ہر میدان میں کفر کے دانت کھٹے کئے اور اسلام کا بول بالا کیا۔ انہی کے دم قدم سے یہ علم ہم تک پہنچا بلکہ قیامت تک انہی علماء کے دم قدم سے دین پہنچے گا۔

حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا جب دجال لوگوں کو اپنے فتنے کی وجہ سے دین اسلام سے نکال کر کفر کے اندر داخل کرنے والا ہوگا۔ وہاں کون ہوگا؟ کوئی انگریزی خواں ہوگا جو اس دجال کے مقابلے کیلئے کھڑا

ہوگا۔اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا جب وہ دجال مدینہ طیبہ جانے لگے گا وہاں پر فرشتوں کے پہرے کی وجہ سے داخل تو نہیں ہو سکے گا تاہم ایک زلزلہ آئے گا اور کمزور ایمان والوں میں سے ہر ایک آدمی باہر نکلے گا اور اس کا لقمہ بن جائے گا۔ایک مومن بھی ہوگا جو باہر نکلے گا کہ میں دجال کو دیکھوں تو سہی۔ دجال اسے بلائے گا۔اور کہے گا کہ تو میرے خدا ہونے کی تصدیق کرلے۔ وہ کہے گا نہیں تو پکا کافر ہے۔دجال کہے گا، کہ اچھا میں تمہیں مار سکتا ہوں۔ وہ کہے گا، مار کے دکھا۔دجال اسے تھوڑی دیر کے لئے مارے گا، اسے موت آجائے گی اور اس کے بعد پھر اسے زندہ کرے گا۔جب مارنے کے بعد زندہ کرے گا تو دجال کو دوبارہ مارنے پر قدرت نہیں ہوگی۔ وہ عالم اسے جانتے ہوں گے پس کہیں گے کہ اب مجھے مار کے دکھاؤ۔دجال شرمندہ اور ذلیل ہوگا۔

گناہوں کی آگ:

یہ علماء ہی ہیں جو آج گناہوں کی آگ کو بجھانے کیلئے پانی کی بالٹی ڈالتے ہیں، قطرہ قطرہ پانی برسا رہے ہیں کہ کسی طرح یہ بے راہ روی کی آگ دور ہو جائے۔اگرچہ مکمل طور پر تو دور نہیں ہوگی تاہم ہر آدمی اپنا اپنا اجر تو پالے گا۔

چڑیا کی وفاداری:

حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اتنی بڑی آگ تھی کہ وہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔اس وقت ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے کر آتی اور حضرت ابراہیمؑ کی آگ کے اوپر پانی کا ایک قطرہ ڈالتی تھی۔کسی دوسرے پرندے نے پوچھا کہ تیرے ایک قطرہ پانی ڈالنے سے کیا آگ بجھ جائے گی۔ وہ کہنے لگی یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ آگ تو نہیں بجھے گی مگر میں نے حضرت ابراہیمؑ کی دوستی کا حق تو نبھانا ہے..... یہ چھوٹے چھوٹے مدارس اسی چڑیا کی طرح ہیں جو اپنی چونچ میں امن وسکون اور اللہ کی

رحمت کا ایک ایک قطرہ لے کر معصیت کی آگ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دنیا میں علماء کی ضرورت:

ان مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔ اہل مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔ جو ان مدارس کی خدمت کر رہے ہیں ان سے محبت رکھا کریں۔ جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو یہی حضرات آپ کے کانوں میں اللہ کا نام پہنچاتے ہیں۔ جب آپ زندگی کیلئے کوئی ساتھی تلاش کرتے ہیں تو یہی خطبہ پڑھ کر اسے آپ کیلئے حلال بناتے ہیں۔ جب اس دنیا سے جانا ہوتا ہے تب بھی یہی علماء آپ کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں۔ اور پھر آپ کو دفن کر دیا جاتا ہے۔

جنت میں علماء کی ضرورت:

یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ قوم علماء کی فقط یہاں ہی حاجتمند نہیں ہوگی بلکہ علماء کی ضرورت تو جنت میں بھی پڑے گی۔ عام آدمی سوچے گا کہ جنت میں علماء کی ضرورت کیسے پڑ سکتی ہے۔ سنئے کہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں ہر نعمت عطا فرما دیں گے حتیٰ کہ وہ ان نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ کئی سالوں کا عرصہ گزر جائے گا۔ بالآخر ایک وقت آئے گا جب رب کریم فرمائیں گے کہ اے جنتیو! کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ جنتی کہیں گے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں کہ جسکی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ انکے ذہن میں کچھ نہیں آئے گا۔ بالآخر رب کریم ان سے فرمائیں گے کہ اچھا تم اپنے علماء سے جا کر پوچھو کہ کوئی اور بھی ایسی چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنتی اپنے علماء سے رجوع کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کیا کوئی اور چیز بھی ہے؟ تو علماء کہیں گے کہ ہاں، نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ جنت میں جہاں باقی نعمتیں ملیں گی وہاں ہمیں اپنے پروردگار کا دیدار بھی نصیب ہوگا۔ ابھی تک دیدار نہیں ملا لہٰذا تم پروردگار سے دیدار مانگو۔ سب جنتی دیدار مانگیں

گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ یہ وہ جماعت ہے کہ آپ جس کا احسان جنت میں بھی جا کر نہیں اتار پائیں گے۔

اللہ رب العزت ان عربی پڑھنے والے طلباء اور علماء کے ساتھ دلی محبت عطا فرمادے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے یَنْصُرْكُمْ تو وہ تمہاری مدد کرے گا وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:7) اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دامے، درھمے، سخنے ہر طرح سے ان حضرات کی تائید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم ان حضرات کی خدمت بھی کریں اور احسان بھی ان کا جانیں کیونکہ یہ بلند و بالا کام کر رہے ہیں۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے کہ وہ اپنی اولاد کو اس دین کے حاصل کرنے کیلئے وقف کرے تو یقیناً وہ ماں باپ مبارکباد کے لائق ہوں گے سبحان اللہ آج جب چھوٹے چھوٹے بچے حفظ کرنے والے آرہے تھے اور ہم ان کے سروں پر پگڑیاں باندھ رہے تھے تو میرے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ میرے مولا! آج تو ہم کپڑے کا تاج پہنا رہے ہیں، کل یہ تیرے پاس آئیں گے، آپ تو ان کو نور کا تاج پہنائیں گے۔ یہ بچے کتنے خوش نصیب ہوں گے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اولادوں کو بھی دین حاصل کرنے کی ترغیب دیں تاکہ اللہ رب العزت ہم انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کو بھی دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝